بچّوں کا اسلام

1110

ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

اتوار 11 جمادی الاول 1445ھ
مطابق 26 نومبر 2023ء

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

القرآن

کلماتِ رَب، صادق وعادل ہیں!

اور تمھارے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں، اُس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سنتا جانتا ہے۔ اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر تم اُن کا کہا مان لو گے تو وہ تمھیں خدا کا رستہ بھلا دیں گے، یہ محض خیال کے پیچھے چلتے اور نرے اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔

(سورۃ الانعام، آیات: 116،115)

الحدیث

منصب اور عدل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا: ”اگر تم کہو تو میں تمھیں عہدہ ومنصب کی حقیقت سے آگاہ کردوں؟“

حاضرین نے عرض کیا: ”ضرور یا رسول اللہ!“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”عہدہ ومنصب میں تین خرابیاں ہیں: پہلے ملامت پھر ندامت کا سبب ہے اور بالآخر عذابِ آخرت کا وبال ہے، مگر وہ شخص جس نے عدل وانصاف کیا، لیکن سوال یہ ہے کہ عہدہ ومنصب پر فائز شخص اقرباء پروری سے بچ جائے گا؟“ (مجمع الزوائد)

دستک

اپنائیت کا احساس

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

ہماری کوشش ہوتی ہے کہ خاص طور پر بچے بات کرتے ہوئے انگریزی کے الفاظ اردو میں شامل نہ کیا کریں، سو ہم گھر پر ہوں تو بات بات پر بچوں کی زبان پکڑی جاتی ہے۔

وہ بے چارے جواب میں عذر رکھتے ہیں کہ ’ٹیچر‘ کہتی ہیں اسکول میں انگریزی ہی میں بات کیا کریں، اِس لیے بابا! گھر پر بھی زبان پھسل ہی جاتی ہے۔“

ہم یہ سن کر بری طرح جھنجھلا جاتے ہیں۔ چلیں انگریزی کے پیریڈ میں تو یہ بات درست ہے مگر عمومی طور پر استانیوں کا ایسا کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ جبکہ وہ اسکول کوئی کیمبرج سسٹم نہیں ہے بلکہ ایک بڑے دینی ادارے کا عصری دینی تعلیم والا اسکول ہے۔

اِس سے زیادہ بدتر صورتحال اِن دنوں ’دائرۂ بچوں کا اسلام‘ کے آٹھ سے اسی سال کے ’بچوں‘ کی ہے۔ کیونکہ انھیں تو کسی ٹیچر نے نہیں کہا ناں کہ خط یا تحریر میں انگریزی کا بھدا پیوند ضرور لگائیں؟ لیکن دیکھیے، ہمیں مخاطب کریں گے تو بجائے چاچو، ماموں، بھائی، دادا کہنے کے ’انکل‘ لکھیں گے۔ حادثے کو ایکسیڈنٹ، ریل کو ٹرین، خط کو لیٹر، رنگ کو کلر، خاندان کو فیملی، سلسلے کو سیریز اور نتیجے کو رزلٹ لکھیں گے۔

دیکھیے بھئی؛ ہم اردو والوں کے لیے انگریزی الفاظ دو طرح کے ہیں۔

ایک وہ جو صدیوں تک روتے بلبلاتے ہمارے دروازے پر آتے تھے، سو آخر کار ہماری زبان کو اُن پر رحم آ ہی گیا۔ اس نے ان پر اپنا دستِ شفقت رکھ کر انھیں اپنے گھر میں داخل کرلیا مگر اِس شرط پر کہ پچھلے گھر سے بس نسبی تعلق قائم رہے گا، باقی تمھیں ہمارے رنگ میں رنگنا ہوگا۔ یہ کہہ کر ہماری زبان نے اپنے گھر کے تمام اصول اُن پر لاگو کردیے۔

انھیں دخیل الفاظ کہا جاتا ہے۔ یہ ہماری زبان کے اب خادم ہیں۔ سو ہم بھی انھیں گلے سے لگاتے ہیں کہ وہ اب ہمارے ’اپنے‘ ہو چکے ہیں، ہمارے ہی گھرانے کا حصہ، جیسے اسکول، ٹیکس، اسٹیشن، ٹکٹ، ہال، پروفیسر، لیمپ، بلب، پنسل وغیرہ وغیرہ۔

لیکن وہ انگریزی الفاظ جنھیں ہماری زبان نے گھر میں داخل ہونے کے قابل ہی نہیں سمجھا ہے تو ہم اپنے ’بچوں‘ یعنی اردو الفاظ کو ایسے اجنبیوں کے ساتھ مل کر کیسے کھیلنے دے سکتے ہیں؟

یوں تو یہ گھس بیٹھیے ہمارے بچوں کو کھاتے چلے جائیں گے اور ہمیں پتا بھی نہیں چلے گا۔

آپ ذرا غور کیجیے کہ یہ الفاظ ہمارے اپنے نہیں ہیں تو اُن سے اپنائیت بھی محسوس نہیں ہوتی۔

مثلاً ٹیچر لفظ ہی کو لے لیجیے۔ ہمارے پاس اُس کا کتنا خوبصورت اردو مترادف ”استاذ“ موجود ہے مگر آج شہروں ہی میں نہیں دیہات میں پڑھنے والے اسٹوڈنٹ مم مطلب طالب علم بھی ٹیچر ٹیچر کی گردان کرتے نظر آتے ہیں۔

ارے بچو! ایک بار آپ ٹیچر اور ماسٹر کی بجائے ’جی‘ کے لاحقے کے ساتھ ’استاد جی‘ یا ’استانی جی‘ کہیں تو سہی، پھر دیکھیے گا انھیں اپنائیت کا کس قدر خوبصورت احساس ہوتا ہے اور جب وہ جواب میں آپ کو ’جی بیٹا جی‘ کہیں گے تو آپ کو بھی۔

اسی طرح پٹری پر رینگنے بھاگنے والی ناگن سواری کو ’ٹرین‘ کہنے سے ہمیں تو بھئی بڑا مشینی سا احساس ہوتا ہے، جیسے کوئی روبوٹ ہے، اس کی بجائے آپ ریل گاڑی کہہ کر اس پر سوار ہوں تو یوں لگے گا جیسے آپ شفیق خالہ یا نانی جان کے کاندھوں پر بیٹھے سیر کر رہے ہیں۔

ریل سے یاد آیا، ایک شاعر نے رات کے وقت ریل گاڑی چلنے کا کیا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے ؎

ریل کی گہری سیٹی سن کر
رات کا جنگل گونجا ہوگا

لیجیے یادوں کی ریل گاڑی چلی تو رات کے گھپ اندھیرے میں ریل گاڑی کے دوڑنے کی منظر کشی کرتا ایک اور ڈبہ، معذرت شعر ذہن میں جگمگانے لگا ؎

پیچھے پیچھے رات تھی تاروں کا اِک لشکر لیے
ریل کی پٹڑی پہ سورج چل رہا تھا رات کو

شب کی تاریکی میں پٹڑی پر بگٹٹ دوڑتے ریل کے انجن کو سورج اور پیچھے پیچھے چلے آتے ڈبوں کو ستاروں سے کتنی خوبصورت تشبیہ دی گئی ہے......!

اب اِس سے پہلے کہ ہم حسبِ عادت موضوع سے پھسل جائیں، واپس اپنی ریل، مطلب موضوع پر آتے ہیں۔

لیکن اب کیا فائدہ؟ اب مزید خامہ فرسائی کے لیے جگہ تو بچی ہی نہیں، گویا بقول کسے: گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر...... نہیں بلکہ کہنا چاہیے کہ گئی ہے ریل نکل اب پٹڑی پیٹا کر!

سو اب اگلی ”گاڑی“ یعنی ہفتے کا انتظار کیجیے۔

والسلام

محمد فیصل شہزاد

معصوم لطیفے

زوجہ عبدالوحید شہزاد

''پیارے بچو! کل ہم نے کون سے آداب پڑھے تھے؟''

''کپڑے پہننے کے آداب۔''

جواب بہ آواز بلند کورس کی صورت میں آیا تھا۔

''پھر کون بتائے گا کپڑے پہننے کے آداب؟''

پرجوش چمکتے چہروں کے ساتھ تقریباً سبھی کے ہاتھ بلند تھے۔

''جی کلثوم! آپ بتائیں۔''

جو بچی کچھ زیادہ ہی پرجوش تھی، ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

''باجی! سب کے سامنے نہیں کپڑے ڈالنے چاہییں۔ کپڑے ڈالنے سے پہلے ہمیشہ جھاڑ لینے چاہییں۔''

ہمارے مسکراہٹ میں ڈھلتے لبوں کو دیکھ کر وہ خاموش ہوگئی۔

''بیٹا! بدن پر کپڑے پہنتے ہیں، ڈالتے نہیں۔''

''جی باجی!''

اور پھر مزید آداب سنانے لگی تو پھر وہی کپڑے ڈالنے کی تکرار۔

بڑی مشکل سے بار بار ٹوک کر اُس کی اصلاح کروائی۔

جی ہاں! یہ ہے ہماری ناظرہ قرآن پاک کی کلاس، جس کے اختتام پر ہم سنن و آداب سیکھنے سکھانے کی مجلس بھی جماتے ہیں۔

دوسرا دن:

''پیارے بچو! کل کون سے آداب پڑھے تھے ہم نے؟''

''کھانا کھانے کے آداب۔''

''کون بتائے گا؟ چلیں ارم! آپ بتائیں۔''

موصوفہ کلثوم کی چھوٹی بہن ہیں۔''

''باجی! کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ کھانا اپنے آگے سے کھانا چاہیے۔ ایک ہی دفعہ پلیٹ نہیں بھر لینی چاہیے بلکہ تھوڑا کھانا پلیٹ میں پہننا چاہیے، پھر اگر ضرورت ہو تو اور کھانا بھی پلیٹ میں پہن سکتے ہیں۔''

ہماری بے تحاشا کھلی آنکھوں اور کھلے منہ سے بے نیاز وہ محترمہ کھانا ''پہننے'' کے مزید آداب بتانے میں مشغول تھیں۔

تیسرا دن:

بچے صحن میں کھیل رہے تھے اور درخت کے پتے سارے صحن میں پھیلے ہوئے تھے۔ ہم نے بچوں کو کہا کہ سب یہ پتے چُن کر ٹوکری میں ڈال دیں۔

کچھ دیر بعد ایک آواز ہماری سماعت سے ٹکرائی۔

''عائزہ! تُو کیوں نہیں پتے پہن رہی؟ میں نے اپنے حصے کے سارے پتے ٹوکری میں پہن دیے ہیں، اب یہ تُو پہن باقی!''

اور ہم جو اندر اپنے بیٹی کے دودھ گرا دینے پر موڈ خراب کیے اُس جگہ کو صاف کرنے میں مشغول تھے، یک دم کھلکھلا کر ہنس دیے۔

☆☆☆

آسانِ علمِ دین کورس | بسم اللہ | سبق نمبر ۲

شکر

محمد اسامہ سرسری

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ ایک بہت ہی مفید اور بابرکت سلسلہ شروع ہوا ہے، اس پر ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اسی مناسبت سے اس سبق میں ہم ''شکر'' سے متعلق آیت، حدیث، دعا اور فقہی مسئلہ سیکھیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ!

آیتِ کریمہ:

الحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ (۱) الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ (۲) مٰلِکِ یَومِ الدِّینِ (۳)

مفہوم: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے، جو روزِ جزا کا مالک ہے۔ (سورۂ فاتحہ، آیت نمبر: ۱، ۲، ۳)

حدیثِ مبارکہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَجَبًا لِأَمرِ المُؤمِنِ إِنَّ أَمرَہُ کُلَّہُ لَہُ خَیرٌ، وَلَیسَ ذٰلِکَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلمُؤمِنِ: إِن أَصَابَتہُ سَرَّاءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیرًا لَّہُ، وَإِن أَصَابَتہُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیرًا لَّہُ.

مفہوم: ''بندہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اُس کا ہر معاملہ خیر ہی خیر ہے۔ اگر اسے خوشی پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہی خیر ہے، اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو یہ اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ (صحیح مسلم)

مسنون دعا:

اَللّٰھُمَّ مَا أَصبَحَ بِي مِن نِعمَةٍ فَمِنکَ وَحدَکَ لَا شَرِیکَ لَکَ فَلَکَ الحَمدُ وَلَکَ الشُّکرُ.

مفہوم: اے اللہ! صبح کو جو نعمتیں میرے پاس ہیں وہ تیری ہی دی ہوئی ہیں، تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے، تو ہی ہر طرح کی تعریف کا مستحق ہے، اور میں تیرا ہی شکر گزار ہوں۔

فضیلت: جس نے صبح کے وقت یہ دعا پڑھ لی، اس نے پورے دن کا شکر ادا کرلیا۔ (ابوداود)

فقہی مسئلہ:

سجدہ شکر ادا کرنا جائز ہے، مگر افضل اور کامل شکر یہ ہے کہ دو رکعت شکر کی نیت سے پڑھی جائے، اسے صلوٰۃ الشکر کہتے ہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ)

☆☆☆

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 1500 روپے بیرون ملک ایک میگزین 22000 روپے دو میگزین 25000 روپے
انٹرنیٹ: www.daily islam.pk

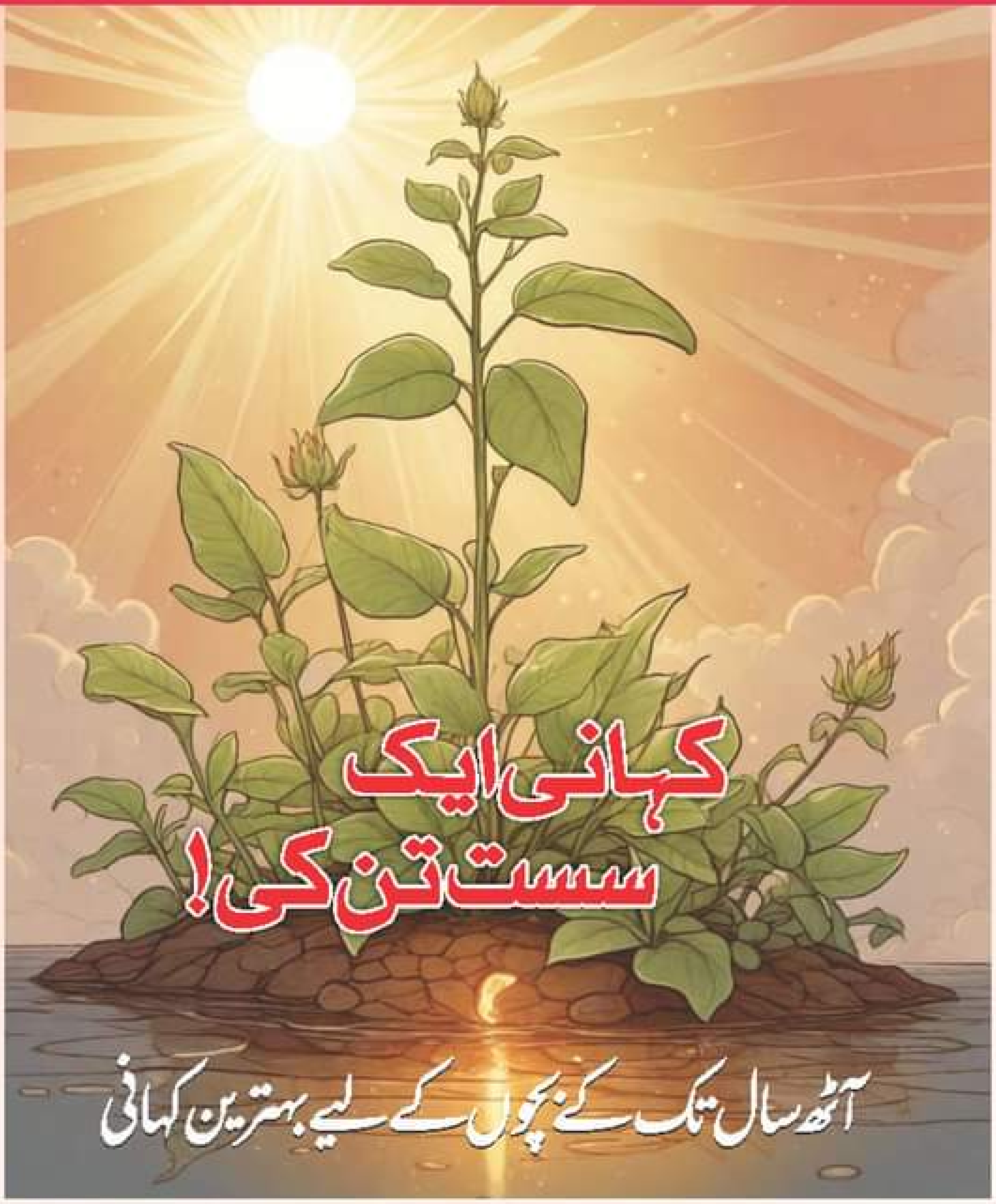

جاوید بسام

جونہی سورج مشرق سے سر باہر نکالتا، اس کی تمام کرنیں زمین کا رخ کرتیں۔

وہ انتہائی تیز رفتاری سے لمبا فاصلہ طے کر کے زمین پر پہنچتیں۔

سب سے پہلے وہ بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیوں پر چمکتیں، پھر اونچے درختوں کے پتوں پر، پھر نیچے وادیوں میں اتر جاتیں، جہاں انھیں بہت کام ہوتے تھے۔ کہیں وہ درختوں کو خوراک بنانے میں مدد دیتیں، کہیں فصلوں کو تیار کرتیں، کہیں اُن کی چمک سے پھول کھل اٹھتے اور کہیں نازک کلیاں روشنی سے سر اٹھانے لگتیں۔ یہاں تک کہ وہ زمین میں چھپے بیجوں کی بھی مدد کرتیں۔ حرارت سے بیج پھوٹ پڑتے اور اُن سے ننھے منے پودے برآمد ہوتے۔

سورج کی کرنوں کا یہ روز کا معمول تھا۔ وہ سب اپنا کام محنت اور لگن سے کرتی تھیں۔ بس ایک کرن ایسی تھی جو کچھ سست تھی۔ وہ بہانے کر کے رک جاتی۔ کبھی سونے کا مکر کرتی، کبھی بیماری کا عذر پیش کرتی اور کبھی تھکن کا حیلہ آزماتی۔

سب کرنوں نے اس کا نام ”سست تن“ رکھ دیا تھا۔ آئیں آج آپ کو اس کی کہانی سناتے ہیں:

اگر سست تن اپنی ساتھی کرنوں کے ساتھ زمین پر اتر بھی جاتی تو یوں ہی اِدھر اُدھر بے مصرف گھومتی رہتی۔ دوسری کرنیں اپنا کام کر رہی ہوتیں، لیکن وہ باغ کی بینچ پر بیٹھی اِدھر اُدھر دیکھ رہی ہوتی۔ ایک دن وہ اسی طرح بینچ پر بیٹھی تھی کہ اس نے قریبی کیاری میں زمین کو شق ہوتے اور بیج سے ایک نازک بوٹے کو پھوٹتے دیکھا۔

بے چارہ بوٹا کمزوری سے لرز رہا تھا۔

سست تن کو اس پر بڑا ترس آیا اور وہ اسے اپنی گرم شعاع سے توانائی پہنچانے لگی۔

کچھ ہی دیر میں بوٹے کے حواس بحال ہو گئے تو اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

سست تن بولی: ”ارے تم تو بہت ہی چھوٹے ہو، اسی لیے کسی نے تم پر دھیان نہیں دیا۔ میں نے بھی اتفاق سے دیکھ لیا، خیر تم فکر نہ کرو، میں تمھارا خیال رکھوں گی۔“

سست تن نے یہ کہہ تو دیا تھا، مگر اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اپنی بات پر قائم رہ پائے گی۔

غرض وہ سارا دن اُس بوٹے کے پاس رہی۔ جب سورج غروب ہوا تو واپس چلی گئی۔

اگلے دن اپنی ساتھی کرنوں کے شور سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ آج اس کا زمین پر جانے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اِس لیے وہ سونے کا بہانہ کرتی رہی، پھر کسی کرن نے اسے جھنجوڑا اور یاد دلایا کہ کل اس نے ایک ننھے بوٹے کی ذمے داری لی ہے۔

یہ سنتے ہی وہ اچھل پڑی اور زمین کی طرف بھاگی۔

کچھ دیر بعد وہ اِس بوٹے کے پاس بیٹھی اسے سہارا دے رہی تھی۔

پھر اسی طرح ہونے لگا۔ جونہی وہ جاگتی، اسے اپنے دوست کا خیال آتا اور وہ تیزی سے زمین پر پہنچتی۔ اس طرح ایک ہفتہ گزر گیا، آہستہ آہستہ مگر اس کی دل چسپی کم ہونے لگی اور وہ دوبارہ سستی کرنے لگی۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہ کئی دن تک زمین پر نہیں گئی۔ ننھا بوٹا بہت پریشان تھا، وہ مرجھانے لگا تھا۔ آخر ایک دن، شام کو کسی کرن نے سست تن کو یہ بات بتائی اور بولی: ”تمھیں روز اُس کے پاس جانا چاہیے، یہ بہت ضروری ہے۔“

”میں روز جا کر کیا کروں؟ تم کیوں اس کی مدد نہیں کرتیں؟“ سست تن نے جھلا کر کہا۔

”میرے پاس ایک نہیں کئی پودے ہیں اور میرا خیال ہے، اگر تم کل بھی نہیں گئیں تو تمھارا دوست ہمیشہ کے لیے تم سے بچھڑ جائے گا۔“

یہ سن کا سست تن کو چپ لگ گئی۔ وہ دیر تک کچھ سوچتی رہی۔ آخر اس نے عزم کیا کہ وہ

آسان علمِ دین کورس

فارورڈ میسجز میں بہت سی باتیں بے تحقیق ہوتی ہیں، عوام کو چاہیے کہ ایسی بے تحقیق باتوں کو بالکل نہ پڑھیں، اس کے بجائے تحقیقی چیزیں سیکھیں، تھوڑا سیکھیں مگر اچھا سیکھیں۔

فیس ماہانہ 90 روپے

اس کورس میں آپ روزانہ چار چیزیں سیکھیں گے:

1 ایک آیتِ کریمہ مع ترجمہ 2 ایک حدیثِ مبارکہ مع ترجمہ

3 ایک مسنون دعا مع ترجمہ 4 ایک فقہی مسئلہ

03042215717

کل ضرور اپنے دوست کے پاس جائے گی اور اس کی مدد کرے گی۔

اگلے دن جونہی سورج نکلا۔ سب کرنیں جاگ اٹھیں اور اپنا سفر شروع کیا، لیکن جب ست تن اور وہ اُس علاقے میں پہنچیں تو وہاں گہرے بادلوں کو موجود پایا۔

وہ اِدھر اُدھر گھومتی رہیں کہ کوئی جگہ ملے جہاں سے وہ زمین پر جا سکیں مگر انھیں کوئی جگہ نہ ملی۔ آخر دوسری کرنوں نے نیچے جانے کی کوشش ترک کر دی، کیونکہ وہ مطمئن تھیں کہ انھوں نے مسلسل کام کیا ہے اور ان کے ذمے جو پودے تھے وہ اچھی حالت میں تھے۔ انھیں ایک دن سورج سے توانائی نہیں ملتی تو کوئی بات نہیں، گاہے بگاہے بارش کا پانی بھی اُن کی صحت کے لیے اتنا ہی ضروری ہے، لیکن ست تن کے پودے کو بہرحال ابھی کرن کی حدت کی ضرورت تھی، ایسی حالت میں بارش اس کے دوست پودے کے لیے تباہ کن ثابت ہوتی، سو وہ بوکھلائی ہوئی آسمانوں پر اِدھر اُدھر پھرتی رہی، لیکن بادل بہت گہرے تھے، اسے کوئی راستہ نہ ملا۔ اُس نے بادلوں سے درخواست کی کہ وہ ذرا سا ہٹ جائیں، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ست تن پاگلوں کی طرح چکراتی ہوئی دور تک چلی گئی۔ آخر اسے دو بادلوں کے درمیان ذرا سی جھری نظر آ ہی گئی۔ اس نے فوراً اس میں سے گزر کر زمین کا رخ کیا اور اس باغ میں پہنچی، جہاں اس کا دوست اداس اور سرنگوں کھڑا تھا۔ اس کا سر بالکل زمین سے جا لگا تھا اور نازک پتوں میں جان نہیں رہی تھی۔

ست تن اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس پر چمکنے لگی۔ کچھ دیر تک تو کچھ نہیں ہوا، پھر دھیرے دھیرے بوٹے کی پتیاں ہلیں اور سیدھی ہونے لگیں۔ آخر کچھ دیر بعد پودے نے زمین سے سر اٹھا لیا۔

”کیسے ہو میرے دوست؟“ ست تن نے پوچھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ بوٹا کمزور آواز نے بولا۔

”فکر نہ کرو، تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔ اب میں ان شاء اللہ تعالیٰ یہاں تمھارے پاس ہی رہوں گی۔“ ست تن نے کہا۔

اس نے یہ بات کہہ تو دی تھی، مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ ایسا کیسے ہوگا؟

وہ سارا دن بوٹے کی تیمارداری کرتی رہی، پھر شام ہو گئی۔ پرندے اپنے آشیانوں میں واپس آنے لگے۔ اُس دن سورج نے اپنا جلوہ زمین پر نہیں دکھایا تھا۔ بس ایک جھری سے اس کی ایک کرن ہی نیچے اتر پائی تھی، خیر جلد ہی اندھیرا ہونے لگا۔ ست تن کے واپس جانے کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ پریشان تھی۔ اگرچہ وہ جانتی تھی کہ اسے بادلوں کے درمیان واپس جانے کے لیے کوئی درز مل جائے گی، لیکن موسم کے تیور خطرناک تھے۔ اگر اگلے دن بھی یہی صورتحال رہتی تو وہ زمین پر واپس نہیں آ سکتی تھی۔ یہ بات ننھے بوٹے کے لیے خطرناک تھی۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ آج اسے زمین ہی پر رہنا چاہیے، مگر کیسے؟ اس کا اس کے پاس جواب

صحابہ اور تابعین کے ایمان افروز اور انوکھے واقعات جاننے کے لیے دو بہترین کتابیں

صرف
810/-

صرف
652/-

صحابہ کے واقعات

- 75 کامیاب ہستیوں کا خوبصورت تذکرہ
- واقعات سے حاصل شدہ قیمتی فوائد و نصائح پر مشتمل
- دین سے محبت اور عمل کا شوق ابھارنے میں معاون

تابعین کے واقعات

- 32 خوش نصیب ہستیوں کا ایمان افروز تذکرہ
- قیمتی فوائد و نصائح پر مشتمل
- اسکول و مدارس کے نصابی تقاضوں سے ہم آہنگ

آئیں! مل کر کتاب دوستی کو فروغ دیں اور اس پیغام کو عام کریں۔

مستند مجموعۂ وظائف

اب موبائل ایپلی کیشن میں بھی دستیاب ہے۔

GET IT ON Google Play

بیت العلم

کراچی فون: 021-32726509 ، موبائل: 0309-2228089

لاہور فون: 042-37112356

Visit us: www.mbi.com.pk maktababaitulilm

نہیں تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ سورج کی کوئی کرن واپس نہ گئی ہو۔

اچانک باغ کی باڑ کے ساتھ لگے کھمبے پر بلب جل اٹھا۔

ست تن نے چونک کر اسے دیکھا، پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ اسے رات کہاں گزارنی ہے؟

وہ ننھے بوٹے کے قریب ہوئی اور سرگوشی کی:

''دوست! فکر نہ کرو، میں ساری رات قریب ہی رہوں گی اور صبح تمھیں توانائی دوں گی۔''

بوٹے نے گردن ہلائی۔

ست تن نے زقند بھری اور بلب میں جا گھسی۔ بلب نے چونک کر اسے دیکھا اور مودب ہو گیا، لیکن بلب میں موجود مصنوعی کرنوں نے بگڑے منہ کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ انھوں نے اسے پسند نہیں کیا تھا۔ وہ اسے دھکے دیتی رہیں، لیکن ست تن نے ہمت اور لگن سے سب کچھ سہا اور اپنی جگہ نہ چھوڑی۔

وہ جانتی تھی کہ اگر وہ وہاں سے نکل گئی تو اندھیرے میں گم ہو جائے گی۔ بلب ساری رات روشنی پھیلا کر اس جگہ کو روشن کرتا رہا، ساری رات مصنوعی کرنیں ست تن کو کوسنے اور دھکے دیتی رہیں، بلب ساری رات کرنوں کو ڈانٹتا رہا، کیوں کہ وہ ست تن کی اہمیت سے واقف تھا اور اُدھر ست تن ساری رات بے چین رہی۔ جونہی صبح ہوئی، اس نے یہ کہتے ہوئے ان مصنوعی کرنوں کا ساتھ چھوڑ دیا کہ کبھی آؤ ہمارے علاقے میں تو تمھیں پتا چلے کہ روشنی کیا ہوتی ہے!

پھر وہ اپنے دوست کے پاس پہنچی اور اس پر چمکنے لگی۔ اس دن تیز بارش بھی ہوئی، لیکن بوٹے کو خطرہ نہ تھا۔ کیوں کہ بارش براہ راست اس پر نہیں پڑ رہی تھی۔

سارا دن موسم ابر آلود رہا۔ اس دن بھی ست تن واپس نہیں گئی۔ اس نے رات بلب میں گزاری۔ جہاں مصنوعی کرنیں اسے دھکے اور کوسنے دیتی رہی اور وہ بے چین رہی۔

بہر حال ست تن نے اس طرح تین دن اپنے ننھے دوست کے ساتھ گزارے۔

آخر موسم بالکل صاف ہو گیا تو وہ ایک شام سب کرنوں کے ساتھ واپس لوٹ گئی۔

آسمان پر فوراً دوسری کرنیں اس کے گرد جمع ہو گئیں۔

وہ اُس سے جرح کر رہی تھیں کہ وہ کہاں غائب تھی؟ انھوں نے یہ بات سورج بابا کو بھی بتا دی تھی۔ سورج بابا نے گرج کر پوچھا:

''تم اتنے دن کہاں رہیں؟''

ست تن نے بتایا کہ وہ اپنے ننھے دوست کے ساتھ تھی، اس کی مدد کر رہی تھی۔

''مگر تم رات کہاں گزارتی تھیں؟ کیا اندھیرے نے تمھیں کچھ نہیں کہا؟''

سورج نے حیرانی سے پوچھا۔

''میں نے اس کا حل ڈھونڈ لیا تھا، جونہی رات ہوتی، میں ایک بلب میں گھس جاتی۔''

''بلب میں؟'' سورج بابا حیرت سے چلائے۔

دوسری کرنیں دبی آواز میں ہنسنے لگی تھیں۔

سورج بابا کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

''جی بلب میں!...... میں نے تین راتیں اس میں گزاریں۔''

''اس کی مصنوعی کرنوں نے تو تمھارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہو گا؟''

ایک کرن طنزیہ لہجے میں بولی۔

''ان کا سلوک میں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔'' ست تن نے کہا۔

''اس واقعے سے تم نے کچھ سیکھا بھی؟'' سورج بابا نے پوچھا۔

''جی، میں نے یہ سیکھا کہ جس دن کا کام ہو، اسی دن پورا کر لینا چاہیے، ورنہ اگلے دن آپ کو کوسنے اور دھکے بھی مل سکتے ہیں۔'' ست تن بولی۔

''بس سمجھو تم نے سب کچھ سیکھ لیا۔'' سورج بابا نے کہا۔

اُس دن کے بعد ست تن نے پھر کبھی صبح اٹھنے میں کاہلی نہیں کی۔ جونہی سورج نکلتا، وہ زمین کا رُخ کرتی اور اپنا کام محنت اور لگن سے پورا کرتی۔

دن گزرتے رہے۔ وہ ننھا نازک پودا دھیرے دھیرے بڑھتا گیا اور آخر ایک دن تناور درخت بن گیا۔

ست تن جو اَب ست تن نہیں رہی تھی بلکہ چست تن بن گئی تھی، وہ اکثر اس سے ملنے جاتی ہے۔ درخت اسے دیکھ کر خوش ہو جاتا ہے۔

آج بھی اگر آپ کبھی اُس باغ میں جائیں اور وہاں اُس درخت کے پتوں کو ہلتا اور پرندوں کو شور مچاتا دیکھیں تو سمجھ جائیں گے کہ اُس کی دوست کرن اس سے ملنے آئی ہے۔

☆☆☆

وہی خاکی سکندر ہے!

ابن الاسلام خاکی۔ کراچی

حضورِ سرورِ کونین کی مدح سرائی کی
ہوئی توفیق مجھ ناچیز کو یوں لب کشائی کی
جہاں سارا اَٹا اٹ تھا جہالت کے تعفن سے
''جہاں افروز'' سے حاصل جہاں نے خوش نمائی کی
حضور آئے سراپا رحمۃ للعالمیں بن کر
مگر ہم نے جفا کی اُن سے، بے حد بے وفائی کی
اگرچہ پیش کش تو تھی جہاں بھر کی امیری کی
پسند اُس ذات نے لیکن جہاں میں بے نوائی کی
وہ آخر اینٹ ہیں مانو، نبوت کی عمارت کی
اسے مانے بنا منزل ملے گی نارسائی کی
کیا اصحاب نے قصہ تمام اُس بد زباں تن کا
کہ جس ملعون نے ان پر اگر ہرزہ سرائی کی
کرو آگاہ امت کو اطاعت ہی محبت ہے
اطاعت سے جو عاری ہے، فقط بس خوش نوائی کی
کرے جو اتباع ان کی، وہی تو جنتی ہوگا
رضائے رب کی نیت ہو، وگرنہ خود نمائی کی
جو سمجھا رازِ الفت کو، وہی خاکی سکندر ہے
اسی نے تو شیاطیں سے، ہے پنجہ آزمائی کی

☆☆☆

ارضِ فلسطین

محمد عاشق الٰہی۔ کراچی

حالیہ دنوں میں غزہ جہاد کی وجہ سے فلسطین کا نام ایک بار پھر شہ سرخیوں میں ہے۔ بچے بڑے سب بار بار فلسطین کا نام سن رہے ہیں۔ یہ اچھا موقع ہے کہ قارئین اپنے اردگرد ایسے لوگوں کو جو سرزمین انبیاء فلسطین کی تاریخ بابت کچھ نہیں جانتے، انھیں درج ذیل اہم باتیں بتائیں:

☆......بیت المقدس یعنی "پاک گھر" یروشلم میں واقع اُس مبارک احاطے کو کہا جاتا ہے، جس میں قبلہ اوّل یعنی مسجدِ اقصیٰ موجود ہے۔

☆......مسجدِ اقصیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نشانیوں میں شمار کیا ہے۔

☆......صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت منقول ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: سب سے پہلے کس مسجد کی بنیاد رکھی گئی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد حرام (مکہ مکرمہ)، پھر پوچھا: اس کے بعد کون سی مسجد بنی؟ آپ نے فرمایا مسجدِ اقصیٰ۔ پوچھا گیا دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنا عرصہ گزرا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چالیس سال۔

☆......حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی مسجد کی تجدید کی اور پھر یہ یہود و نصاریٰ کا قبلہ رہا اور مسلمانوں کا بھی قبلہ اوّل کہ جس کی سمت ابتدا میں مسلمان بھی کعبۃ اللہ کو قبلہ قرار دیے جانے سے قبل نماز پڑھتے رہے ہیں۔

☆......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کی رات میں آسمانوں سے پہلے بیت المقدس ہی لے جایا گیا۔ "قُبَّةُ الصَّخرہ" کی چٹان سے تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری براق کو باندھا گیا تھا۔

☆......یہیں آپ نے تمام انبیاء کرام کی امامت کروائی۔

☆......گویا اس مقام کو نبی اوّل حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتَمُ النَّبِیّٖن سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبارک قدموں کے لمس کا شرف حاصل ہے۔

☆......مسجدِ اقصیٰ میں ایک نماز کا ثواب پانچ سو گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔

☆......سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین کی طرف ہجرت کی تھی۔

☆......حضرت زکریا علیہ السلام کی عبادت گاہ، فلسطین میں تھی۔

☆......حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جائیں اور اسے "مقدس" اس لیے کہا تھا کہ وہ شرک سے پاک تھی۔

☆......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی یہیں ہوئی۔

☆......جب بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے یہیں سے انھیں آسمانوں پر اُٹھا لیا تھا۔

☆......حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم پر آنے والے عذاب سے نجات دے کر فلسطین پہنچایا۔

☆......حضرت داؤد علیہ السلام نے فلسطین میں زندگی گزاری۔

☆......حضرت سلیمان علیہ السلام نے فلسطین میں رہ کر ہی پوری دنیا پر حکومت کی تھی۔

☆......حضرت سلیمان علیہ السلام کا مشہور قصہ ہے، جس میں انھوں نے چیونٹی سے بات چیت کی تھی اور چیونٹی نے دیگر چیونٹیوں سے کہا تھا:

"اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔"

یہ واقعہ فلسطین میں "وادی نمل" میں پیش آیا تھا، جو عسقلان کے قریب واقع ہے۔

☆......حضرت طالوت اور جالوت کا واقعہ بھی فلسطین میں پیش آیا تھا۔

☆......آخری زمانے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام "شام" میں (آسمان سے) جامع مسجد دمشق کے سفید منارے پر اُتریں گے اور فلسطین ہی میں "باب لد" کے قریب دجال کو جہنم رسید کریں گے۔

☆......آخری زمانے میں اسی سرزمین میں یاجوج ماجوج قتل ہوں گے۔

☆......حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ بنے تو انھوں نے جزیرۂ عرب میں مرتد ہونے والے لوگوں کے مقابلے کے لیے لشکر بھیجے تا کہ انھیں اسلام کی طرف لوٹائیں۔ اس موقع پر جزیرہ عرب میں امن و قرار لانے کے لیے انھیں افرادی قوت کی اشد ضرورت تھی لیکن ان مشکل حالات میں بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو نہیں روکا، جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام جانے کا حکم فرمایا تھا۔

☆......امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ اسلامی فتوحات کا سنہری دور تھا، لیکن آپ فلسطین کے علاوہ کسی دوسرے ملک یا شہر کی فتح کے موقع پر مدینہ منورہ سے نہیں نکلے۔ بیت المقدس کی فتح کے موقع پر امیر المومنین حضرتِ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شہر کی طرف روانہ ہوئے تو ترتیب یہ تھی کہ سواری ایک ہی تھی اور آپ اور آپ کے غلام دو نفوس تھے۔ ایک منزل آپ سواری پر بیٹھے اور اگلی منزل پر غلام سوار ہو جاتے اور آپ پیدل چلتے۔ لشکر اسلامی کے خواہش تھی کہ جب امیر المومنین سرزمین فلسطین کے پاس پہنچیں تو اس وقت سواری کی باری حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہو، لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا اور سفر کے آخری حصے میں سواری کی باری غلام کی آپڑی، چنانچہ غلام نے سوار ہو کر جبکہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مبارک قدموں سے چلتے ہوئے فلسطین میں داخل ہوئے، شہر کی چابیاں وصول کیں اور یہاں نماز ادا فرمائی۔

☆......دوسری بار سنہ ۵۸۳ ہجری کے ایک تاریخی دن صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے اس شہر کو فتح کیا اور یہ جمعے کا مبارک دن تھا۔

☆......حرمین شریفین اور بیت المقدس کی اہمیت اور فضیلت سے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جگہوں کا ایک ہی جگہ تذکرہ فرمایا:

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ۔

مفہوم: "قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور صحرائے سینا کے پہاڑ طور کی اور اس امن وامان والے شہر کی۔"

امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

"تین" سے مراد ملک شام کی سرزمین ہے۔ "زیتون" سے مراد فلسطین کا علاقہ ہے، اور "طورِ سینا" مصر کا وہ پہاڑ ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے گفتگو فرمائی تھی، اور "بلد امین" سے مراد مکہ معظمہ ہے۔

☆......قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔

(مفہوم) "اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔"

حضرات مفسرین لکھتے ہیں کہ اُمت محمدیہ ہی اس مقدس سرزمین کی وارث ہے۔

☆☆☆

شیرو اور آدمی

چچا مائل خیر آبادی

کسی جنگل میں ایک نوعمر شیر رہتا تھا۔ اس کا نام ''شیرو'' تھا۔ اس کے والد شہنشاہ ببر شیر خان کا دو ہفتے پہلے ہی انتقال ہوا تھا۔ ان کے مرنے کے بعد سب جانوروں نے شیرو کو اپنا بادشاہ مان لیا تھا۔

شیرو بڑا خوبصورت تھا، بالکل اپنے باپ جیسا۔ اس کے والد ببر شیر خان نے اسے چھوٹی ہی عمر میں سارے داؤ گھات سکھا کر شکار میں ماہر کر دیا تھا، پھر اس دن جب وہ مرنے لگا تو اُس نے اپنے شیرو کو بلایا اور کہا:

''شیرو! اب میں مرنے کے قریب ہوں۔ ہر جینے والے کے لیے موت ضروری ہے، یہی اللہ رب العزت کا قانون ہے۔ ویسے تو تم ہر طرح ہوشیار ہو، پھر بھی ایک اہم ترین نصیحت تمھیں کرتا ہوں، تم اس پر ہمیشہ عمل کرنا۔''

''جی ابا جان! آپ فرمایئے۔'' شیرو نے ادب سے کہا۔

''دیکھو شیرو! یوں تو تمھیں جنگل کے کسی جانور سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن آدمی سے بچ کے رہنا، اللہ تعالیٰ نے اُسے بڑی طاقت دی ہے۔''

کچھ ہی دیر بعد شیر خان مر گیا۔

شیر خان کے بعد شیرو جنگل کا راجہ بن گیا۔ وہ ابھی کافی چھوٹا تھا اور ٹھیک سے سب جانوروں کو جانتا بھی نہ تھا، پھر بھی سب جانور اس سے بہت ڈرتے تھے۔

شیرو اپنے باپ کی آخری بات کو بھولا نہیں تھا۔ وہ آدمی کو دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر وہ کیا بلا ہے جس سے بچنے کی میرے باپ نے نصیحت کی ہے۔

ایک دن وہ آدمی کی تلاش میں نکلا۔ بہت دیر تک اِدھر اُدھر پھرنے کے بعد اسے ایک گھوڑا نظر آیا۔ بہت چالاک، چھلانگیں لگاتا اور کودتا ہوا۔ شیرو نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا، وہ اس کی پھرتی، چالاکی اور ہوشیاری کو دیکھ کر جی میں سوچنے لگا کہ شاید یہی آدمی ہے۔

ڈرتے ڈرتے وہ اس کے پاس گیا۔ ادب سے کھڑا ہوا اور پوچھا۔

''کودو بھیا! کیا تمھی آدمی ہو؟''

گھوڑا شیرو کو اچانک دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ اس کے منہ سے گھاس کا گچھا چھوٹ گیا۔ بے چارے نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

''نہیں جنگل کے راجہ! میں تو گھوڑا ہوں، گھوڑا۔ آدمی کو اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا بنایا ہے۔ اُسے بڑی عقل دی ہے۔ ہم سب کو اس کی خدمت کے لیے بنایا ہے۔ وہ ہم سے جیسے چاہتا ہے، کام لیتا ہے۔''

گھوڑے کی یہ بات سن کر شیرو آگے بڑھا تو اسے میاں اونٹ دکھائی دیے۔ گھوڑے سے بھی چار ہاتھ اونچے۔ بانس جیسی لمبی ٹانگیں، لمبی گردن۔ سوچا، ہو نہ ہو یہی آدمی ہے۔ آگے بڑھ کر ادب سے پوچھا: ''لمبو میاں! کیا تم آدمی ہو؟''

اونٹ سہم کے بولا: ''نہیں جناب! میں تو اونٹ ہوں، اونٹ۔ آدمی کو تو اللہ نے سب سے اچھا بنایا ہے۔ اسے بڑی عقل دی ہے۔ ہم سب کو اس کی خدمت کے لیے بنایا ہے۔ وہ ہم سے جیسے چاہتا ہے، کام لیتا ہے۔''

شیرو پھر آگے بڑھا۔ چلتے چلتے راستے میں ہاتھی دکھائی دیا۔ شیرو نے پہلے کبھی ہاتھی بھی نہ دیکھا تھا، وہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح اٹھا چلا آ رہا تھا۔ کتنا بڑا ڈیل ڈول، بڑے بڑے آگے کو نکلے ہوئے دانت۔ موٹے موٹے پیر جیسے کھمبے، چوڑے چوڑے کان جیسے پنکھے اور پھر منہ پر سب سے عجیب چیز، سونڈ! خدا کی پناہ! شیرو کو اب تو یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو، یہی آدمی ہے۔

''اف کتنا بڑا ہے یہ!'' وہ بڑبڑایا پھر ڈرتے ڈرتے اس کے پاس گیا، ادب سے سلام کیا اور پھر پوچھا: ''موٹو میاں! کیا آپ آدمی ہیں؟''

ہاتھی نے یہ سن کر اس نوعمر شیر کو اوپر سے نیچے تک دیکھا، اس کی نادانی پر ہنسا، پھر نرمی سے بولا: ''نہیں بھئی! میں تو ہاتھی ہوں، ہاتھی۔ آدمی کو تو اللہ نے سب سے اچھا بنایا ہے۔ اسے بڑی عقل دی ہے۔ ہم سب کو اس کی خدمت کے لیے بنایا ہے۔ وہ ہم سے جیسے چاہتا ہے، کام لیتا ہے۔''

اتنے بڑے ہاتھی کی بات سن کر شیر کا بچہ اور بھی سوچ میں پڑ گیا کہ میں کبھی آدمی کے سامنے نہیں جاؤں گا۔ معلوم نہیں وہ کتنا بڑا ہو گا جو اتنے بڑے بڑے جانور سے بھی کام لیتا ہے!

یہ سوچ کر وہ وہیں سے اپنی کھوہ کی طرف لوٹ پڑا، لیکن خدا کا کرنا واپسی میں سچ مچ ایک آدمی اسے ٹکرا گیا۔ جی ہاں! اسی جنگل میں ایک بڑھئی لکڑیاں چیر رہا تھا۔ ایک بڑے لٹھے میں پھنسی لگی ہوئی تھی اور بڑھئی آرا چلا رہا تھا۔

شیرو نے سوچا: ''یہ کتنی کمزور سی مخلوق نظر آ رہی ہے، اس کا حلیہ بھی باقی جانوروں سے کچھ الگ ہے، چلو اسی سے پوچھ لیں، شاید اس نے آدمی کو دیکھا ہو۔''

وہ بڑھئی کے پاس گیا اور پوچھا: ''ارے بات سنو، کیا تم نے کبھی آدمی کو دیکھا ہے؟''

پہلے تو بڑھئی ڈرا، پھر ہمت کر کے بولا:
”میں آدمی ہی تو ہوں، کہیے آپ کو کیا کام ہے؟“
یہ سن کر شیرو بہت زور سے ہنسا پھر حقارت سے بولا:
”ارے! کیا تُو ہی وہ ہے، جس کی خدمت کے لیے گھوڑا، اونٹ اور ہاتھی پیدا کیے گئے ہیں اور جس سے میرے والد صاحب نے مجھے ڈرایا تھا۔ لے تجھے تو میں آن کی آن میں ختم کیے دیتا ہوں۔“
یہ کہہ کر شیرو آگے بڑھا تاکہ بڑھئی کا کام تمام کر دے، لیکن بڑھئی نے ہمت سے کام لیا اور شیر کے اس نادان بچے سے بولا:
”ذرا ٹھہرو، اس میں تو شک نہیں کہ اللہ رب العزت نے تمھیں بڑی طاقت دی ہے لیکن اس سے کیا ہوتا ہے مجھے بھی اللہ نے بڑی عقل دی ہے۔ اب یہی دیکھو کہ میں اتنا بڑا لٹھا چیر رہا ہوں۔ میں نے اس میں یہ پھنّی لگائی ہے، تم سے ہو سکے تو ذرا اس چھوٹی سی پھنّی ہی کو نکال کر دکھا دو، پھر چاہے تو مجھ پر طاقت آزما لینا۔“
شیرو یہ سن کر پھر زور سے ہنسا، بولا: ”یہ بھی کوئی بات ہے، لو یہ رہی تمھاری پھنّی!“
یہ کہہ کر ایک اس نے ایک پیر سے لٹھے کے چیرے ہوئے ایک ٹکڑے کو کھینچا اور دوسرے سے پھنّی نکال دی۔
پھنّی تو نکل گئی لیکن پھنّی کے نکلتے ہی چیرے ہوئے لٹھے کے دونوں حصے مل گئے اور شیرو کا پنجہ اس میں دب کر رہ گیا۔
اَب بڑھئی نے کہا: ”دیکھا تم نے آدمی کی طاقت کو۔ ہوں تو میں بہت چھوٹا اور کمزور، مگر اللہ تعالیٰ نے ہم آدمیوں کو ایسی چیز دی ہے جو تم جانوروں کو نہیں ملی اور وہ ہے عقل۔ اسی سے کام لے کر میں بڑے بڑے کام کرتا ہوں اور اپنے بنانے والے کا شکر ادا کرتا ہوں۔“
اب تو شیرو کے پسینے چھوٹ گئے۔ اسے اُس وقت یقین ہو گیا کہ اس کے والد نے مرتے وقت کتنی سچی نصیحت کی تھی، مگر افسوس میں اپنے بے جا تجسس اور پھر تکبر کے ہاتھوں ایسی سخت مصیبت میں پڑ گیا......!!!

جواہرات سے قیمتی

☆......یہ گناہ ہے کہ تم وہ دعویٰ کرو، جو کر نہیں سکتے۔
☆......شرک کے بعد بدترین گناہ والدین کو ستانا ہے۔
☆......ایمان کے بعد افضل ترین نیکی خلق کو آرام دینا ہے۔
☆......صبر ایمان سے ایسے ملا ہوا ہے جیسے سر جسم سے۔
☆......کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سکون کے لیے دوا کی نہیں بلکہ کسی کے نرم لفظوں کی ضرورت ہوتی ہے، سو لوگوں سے نرمی سے پیش آئیں، آپ نہیں جانتے کون کس حالات سے گزر رہا ہے۔
☆......کبھی کبھی انسان کو اپنا بوجھ بانٹ لینا چاہیے مگر صحیح بندے کے ساتھ صحیح وقت پر۔

انتخاب: امیمہ اکبر، حفصہ صفدر، حور فاطمہ۔ کبیر والہ

جونہی وہ جہاز سے اترے، استقبال کرنے والوں کا ایک مجمع اُن کی طرف لپکا اور آن کی آن میں انھوں نے ظہور کو گھیر لیا۔

انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ظہور سے بہت دور رہ گئے۔ کوشش کے باوجود وہ اس کے نزدیک نہ ہو سکے۔ ائیر پورٹ کا عملہ بھی ان کے اور ظہور کے درمیان آ گیا تھا۔

ادھر ظہور کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔

ایک عالی شان لباس والا بوڑھا اس سے کہہ رہا تھا۔

''میرے بیٹے، میرے شہزادے، میری ریاست کے والی! تم کہاں چلے گئے تھے؟ رو رو کر ہماری تو آنکھیں خراب ہو گئی ہیں، آؤ گھر چلیں، دیکھو تو سہی تمھاری ماں کا کیا حال ہے۔''

حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ یہ سب باتیں اردو میں کر رہا تھا۔

ظہور جن لوگوں کے گھیرے میں تھا، وہ بھی اردو میں باتیں کر رہے تھے۔ یوں لگتا تھا، جیسے پورے انشارجہ کی زبان اردو ہو، اور پھر جب وہ باہر پہنچے تو ایک شاہی گاڑی ظہور کو لے کر ہوا ہو چکی تھی۔

''یہ کیا ہوا؟...... کیا ہم ظہور سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں؟''

خان رحمان بولے۔

''ہاں! ایسا ہی لگتا ہے۔''

''لیکن یار! اس نے تو کبھی نہیں بتایا کہ وہ کوئی شہزادہ ہے، میں تو اسے کان پکڑواتا رہا ہوں۔''

خان رحمان نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا بات کرتے ہو خان رحمان! وہ ہمارا ظہور ہی ہے...... کوئی شہزادہ نہیں۔''

''تب پھر...... یہ کون لوگ تھے؟''

''ضرور کوئی چکر ہے...... آؤ ہم اپنے ہوٹل چلیں۔''

''اور ظہور؟''

''فکر نہ کرو...... اس کا بھی کچھ ہو جائے گا۔''

انھوں نے دو ٹیکسیاں لیں اور ہوٹل کا نام بتایا۔

ہوٹل میں کمرے انھوں نے پہلے ہی بک کروا رکھے تھے۔

''جمشید! ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟''

خان رحمان نے سرسراتی آواز منہ سے نکالی۔

''نہ پوچھو'' وہ بولے۔

''نہ پوچھوں!'' ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں! نہ پوچھو'' وہ مسکرائے۔

''اچھی بات ہے نہیں پوچھتا، لیکن ظہور کو یہ لوگ کہاں لے گئے ہیں؟...... وہ ڈر رہا ہوگا۔''

''فکر نہ کرو...... وہ بہت مزے میں ہوگا۔''

''شہزادے مزے سے نہیں ہوں گے تو کیا ہم ہوں گے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''بھئی تم کیوں جلے جا رہے ہو...... کہو تو تمھیں شہزادہ بنا دیں۔'' محمود مسکرایا۔

''میرا تو جوتا بنتا ہے شہزادہ۔'' فاروق بھنا اٹھا۔

''اچھا...... فرزانہ کی جوتی کی صحبت کا شکار ہو گیا شاید۔'' محمود بولا۔

''اے خبردار...... جو تم نے میری جوتی کو درمیان میں گھسیٹا۔'' فرزانہ نے اسے گھورا۔

''یہاں تو ہر کوئی کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے۔''

محمود نے برا سا منہ بنایا۔

آخر وہ ہوٹل کے سامنے اتر گئے۔ اس ہوٹل کا نام مون لائٹ ہوٹل تھا۔ وہ اندر داخل ہوئے اور کاؤنٹر پر پہنچے۔

''ہم نے کمرے بک کرائے تھے۔''

''نام بتائیے۔''

''خان رحمان وغیرہ۔''

''وہ تو آ چکے ہیں۔'' کلرک نے حیران ہو کر کہا۔

''کون آ چکے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید نے تیز آواز میں کہا۔ لہجے میں قدرے حیرت بھی تھی۔

''خان رحمان صاحب اور ان کے ساتھی، ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو بیرے انھیں اوپر پہنچا کر آئے ہیں۔''

''غلط لوگوں کو اوپر پہنچا آئے ہیں آپ، میں ہوں خان رحمان اور یہ میرے ساتھی ہیں۔''

''ایک دو تین...... چار، پانچ...... نہیں جناب...... آپ تو پانچ ہیں...... جب کہ خان رحمان صاحب نے چھے آدمیوں کے لیے دو کمرے بک کرائے تھے۔''

''چھے آدمیوں کے لیے ہی بک کرائے تھے، تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے...... ہمارے ایک ساتھی کو راستے میں کہیں اور جانا پڑ گیا ہے۔''

''لیکن جو لوگ آئے ہیں...... وہ چھے ہیں۔''

''میں نے ڈرافٹ بنا کر بھیجا تھا، اُس کی پشت پر میں نے احتیاطاً دستخط کیے تھے...... آپ نے وہ ابھی بنک میں جمع تو نہیں کرایا ہوگا۔''

''جو ڈرافٹ ہمیں ملا تھا...... اس کی پشت پر کوئی دستخط نہیں تھے...... اور وہ ہم نے جمع کروا دیا تھا۔''

کلرک نے منہ بنایا۔

''خیر...... آپ ہمیں کوئی اور کمرے دے دیں۔''

''افسوس! یہاں تو ایک کمرہ بھی خالی نہیں ہے، پندرہ دن پہلے کمرے بک کرانا پڑتے ہیں...... آپ اگر آج بک کرائیں گے تو پندرہ دن سے پہلے کمرے نہیں ملیں گے۔''

''حد ہو گئی...... خان رحمان...... ذرا انھیں کاغذات وغیرہ نکال کر دکھانا۔'' انسپکٹر جمشید نے بھنا کر کہا۔

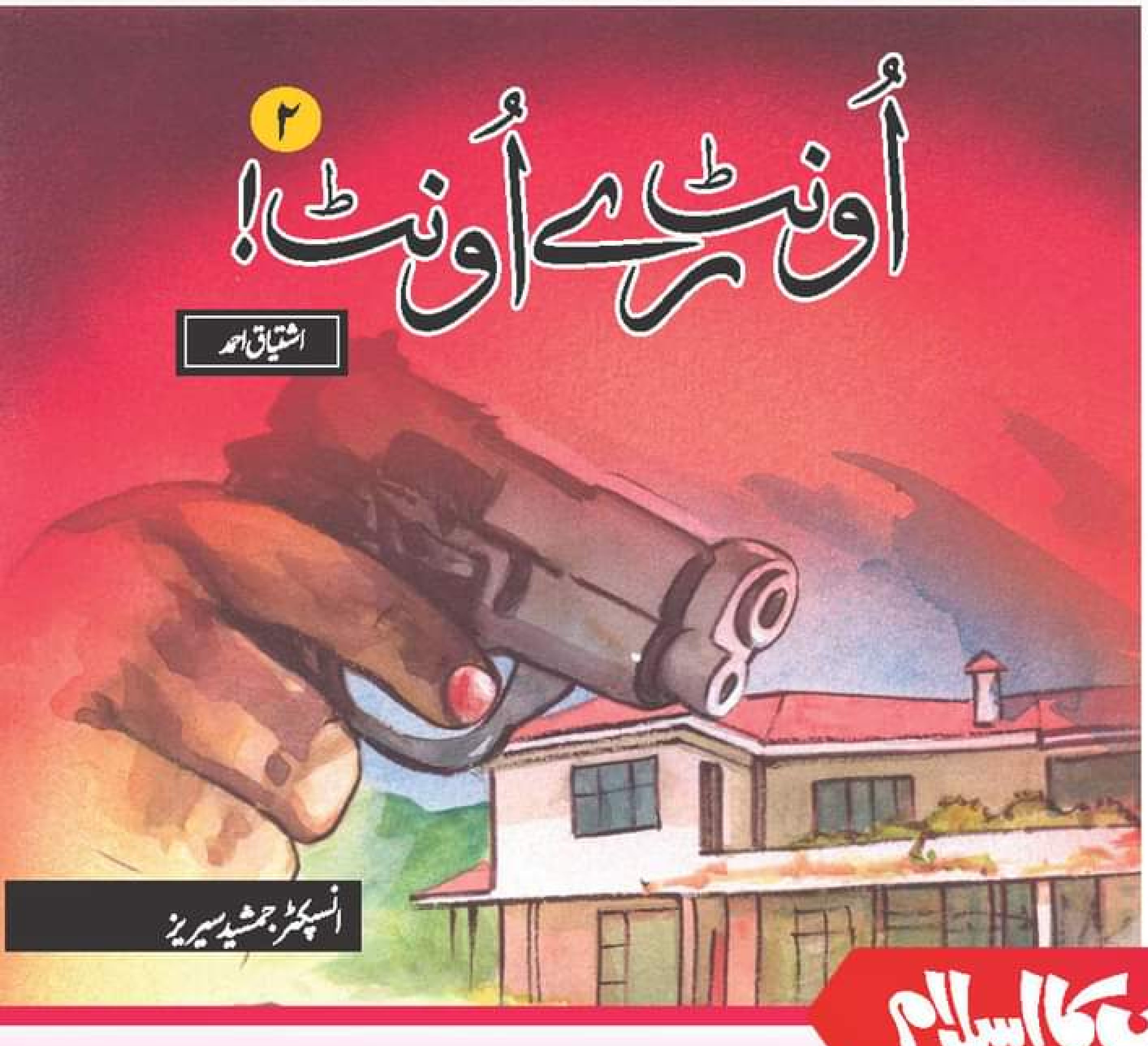

”لیکن اس کی کیا ضرورت ہے؟...... جبکہ آپ سے پہلے جو خان رحمان یہاں آئے ہیں...... انھوں نے اپنے کاغذات ہمیں دکھائے تھے، اور وہ سو فی صد خان رحمان کے تھے۔“

”ضرور کوئی گڑبڑ ہے...... کیا آپ ہمیں ان کے کمروں کے نمبر بتا سکتے ہیں۔“

”ہاں کیوں نہیں، یہ تو اور اچھی بات ہے، آپ خود تصدیق کرلیں، تیسری منزل پر کمرہ نمبر ۲۹۹ اور ۳۰۰ ہے۔“

”شکریہ! ہمارا سامان یہیں رکھا ہے...... ہم ان سے مل کر آتے ہیں...... آخر ہمارا ڈرافٹ کہاں گیا؟...... یہ بھی تو دیکھنا پڑے گا۔“

”ضرور، کیوں نہیں...... ہم وہ ڈرافٹ بنک میں آپ کو دکھا سکتے ہیں جو ہمیں ملا تھا۔“

”اوکے...... شکریہ۔“

اور وہ تیسری منزل پر پہنچے۔ یہ ایک بہت بڑا ہوٹل تھا، بے شمار کمروں والا۔ کمرہ نمبر ۲۹۹ اور ۳۰۰ پر تالے لگے ہوئے تھے۔

”ان میں تو کوئی بھی نہیں ہے۔“

خان رحمان نے منہ بنایا۔

”اب یوں کام نہیں چلے گا۔“ انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا اور ماسٹر کی نکالی۔

”یہ...... یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ہم انشارجہ میں ہیں...... کہیں ہم پر کیس نہ بن جائے۔“

”بننے دو بھئی...... پہلے ظہور کو ہم سے جدا کر دیا گیا...... اب ہوٹل میں کمرے نہیں مل رہے...... ہمارے خلاف ضرور کوئی جال بچھایا گیا ہے۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“

اور انھوں نے کمرہ نمبر ۲۹۹ کے تالے میں چابی لگا دی...... ایک منٹ کی کوشش کے بعد دروازہ کھل گیا۔ انھوں نے دیکھا، اندر بے ترتیبی سے کچھ سامان پڑا تھا۔

”کچھ لوگ آئے ضرور ہیں لیکن سامان یونہی پھینک کر چلے گئے ہیں...... آؤ دوسرا کمرہ دیکھ لیں۔“

”پہلے اُس کو تو بند کر دیں۔“

فاروق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

”کیا بات ہے بھئی...... بہت ڈر لگ رہا ہے۔“

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”جی ہاں...... اس لیے کہ ہم اپنے ملک میں نہیں ہیں۔“

”کوئی بات نہیں...... گھبراؤ نہیں۔“

یہ کہہ کر انھوں نے دوسرا کمرہ بھی کھول ڈالا۔

کچھ سامان اس میں بھی اسی انداز میں پڑا تھا۔ وہ اندر داخل ہوگئے۔ ابھی سامان کو دیکھ ہی رہے تھے کہ اچانک ایک بھاری بھرکم آواز گونجی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“

وہ چونک کر مڑے، چھ آدمی کھڑے انھیں گھور رہے تھے۔ ”کیا یہ کمرے آپ کو ملے ہیں۔“

”ہاں! لیکن آپ نے تالے کیسے کھول لیے اور کیوں کھول لیے؟ اینڈی! ہوٹل کی انتظامیہ سے کہو، پولیس کو بلائے۔“

”اس کی ضرورت نہیں...... یہ کمرے دراصل ہم نے بک کرائے تھے۔“

”یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر آپ نے بک کرائے ہوتے تو ہوٹل کی انتظامیہ ہمیں کیوں دیتی۔ کچھ بھی ہو...... آپ کو تالے نہیں کھولنے چاہیے تھے۔ یہ پولیس کیس بن گیا ہے۔“

”اچھی بات ہے...... بلائیں پھر پولیس۔“

انسپکٹر جمشید بے فکری سے بولے۔

”اینڈی! تم نے فون نہیں کیا۔“

ان میں سے ایک فون کی طرف بڑھ گیا۔ جلد ہی وہاں انتظامیہ اور پولیس دونوں موجود تھے۔ ان کی نظریں انسپکٹر جمشید پر جمی تھیں۔ مخالف پارٹی ساری بات انھیں بتا چکی تھی۔

”آپ کچھ وضاحت فرمائیں گے۔“ پولیس آفیسر نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”ہاں! یہ کمرے ہم نے بک کروائے تھے لیکن یہ جان بوجھ کر دوسروں کو دے دیے گئے ہیں...... ہم صورت حال کا جائزہ لینے اوپر آئے تھے تاکہ اُن لوگوں سے بات کر کے اندازہ کرنے کی کوشش کریں لیکن وہ دونوں کمرے بند ملے۔ ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ اندر کچھ سامان بھی ہے یا نہیں، کمروں کے دروازے کھول کر دیکھے اور بس...... کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا...... اور ابھی ہم دروازے بند کرنے والے تھے کہ یہ لوگ آگئے۔“

”لیکن اِن کمروں پر تو تالے لگے ہوئے تھے۔ آپ نے وہ کیسے کھول لیے اور کیوں کھول لیے۔“

”تالے ضرور لگے تھے، میں نے اپنی چابی سے کھول لیے، اور ہم صرف اندر سامان دیکھنا چاہتے تھے، اس لیے کہ ہمیں کلرک نے بتایا ہے کہ ان کا نام بھی خان رحمان ہے...... سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے...... اور یہ سن کر ہمیں کس قدر حیرت ہوئی ہوگی...... کیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔“

انسپکٹر جمشید پرسکون انداز میں مسکرائے۔

”کیا مطلب...... یہ خان رحمان والی بات تو ابھی سامنے آئی ہے۔“

پولیس آفیسر نے حیران ہو کر کہا۔

”میں بتاتا ہوں، خان رحمان! اپنے کاغذات انھیں دکھانا۔“ انھوں نے تمام کاغذات دکھا دیے۔

”آپ کے خیال میں یہ خان رحمان ہیں یا نہیں؟“

”بالکل ہیں۔“

”اور یہ اپنے ملک کے کروڑ پتی آدمی ہیں، ان کی سونے کی کانیں ہیں، ہم نے ہوٹل کے کمرے بک کروائے، رقم بھی پہلے ہی بذریعہ ڈرافٹ ارسال کر دی، اب جب یہاں آئے تو ان صاحب نے ہمیں بتایا کہ خان رحمان تو آچکے ہیں۔ آپ ذرا سوچیں یہ کس قدر حیران کن بات تھی، ہم کمرے کھول کر نہ دیکھتے تو کیا کرتے۔“

”کیوں مسٹر! یہ کیا بات ہوئی...... کیا تمھیں ڈرافٹ ملا تھا۔“

”یس سر! لیکن...... اس کے پیچھے کسی کے دستخط نہیں تھے۔ جب کہ ان کا بیان ہے، انھوں نے احتیاط کے طور پر پیچھے دستخط کیے تھے۔“

”اور ہمارا دعویٰ ہے...... دستخط مٹا دیے گئے ہیں تاکہ جعلی خان رحمان کو کمرے دیے جاسکیں اور اس کا مطلب ہے، جعل سازی کی گئی ہے۔ ہم نے تو صرف کمرے کھول کر دیکھے ہیں، تاکہ معاملے کی تہہ تک پہنچ سکیں، انھوں نے تو جعل سازی کی ہے۔“

”نہیں...... میں نے کوئی جعل سازی نہیں کی۔“

”تو آپ نے ڈرافٹ کے پیچھے سے دستخط نہیں مٹائے۔“

”نہیں...... ہرگز نہیں۔“

”انسپکٹر صاحب! میری درخواست ہے کہ آپ وہ ڈرافٹ بنک سے نکلوا لیں، ہم یہ بات ثابت کر دیں گے کہ دستخط کیے گئے تھے لیکن مٹا دیے گئے ہیں۔“

”بہت خوب! میں ابھی وہ ڈرافٹ یہاں منگوا لیتا ہوں۔ سب لوگ نیچے چل کر اس کلرک کے کمرے میں بیٹھیں۔“ پولیس آفیسر نے کہا۔

انھوں نے دیکھا۔ کلرک حد درجے بے چین تھا۔ انھیں حیرت ہوئی، اسے پریشان ہونا چاہیے تھا، لیکن وہ پریشان نہیں بے چین تھا، بہر حال وہ نیچے آکر بیٹھ گئے۔

پولیس آفیسر اپنے ماتحتوں کے ساتھ چلا گیا تھا۔

”کیوں جناب! اب کیا خیال ہے؟“ انسپکٹر جمشید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”میں کہہ چکا ہوں، ڈرافٹ کے پیچھے دستخط نہیں تھے۔“

”خیر...... ابھی ثابت ہو جائے گا۔“

اور پھر پولیس آفیسر ڈرافٹ لیے اندر داخل ہوا۔

(جاری ہے)

(گزشتہ سے پیوستہ)

مسکرانے والے قاریِ قرآن

دانش عارفین حیرت

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام میں قرآن وحدیث سکھانے کے لیے صبح فجر کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ جاتے۔

شاگرد آپ سے سوالات کرتے اور آپ جواب عنایت کرتے۔

حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی قرآن مجید حفظ کرلیا تھا۔

آپ صبح نماز کے بعد دس دس طلبہ کی جماعت بنا دیتے اور ان کے اوپر ایک قاری مقرر کردیتے۔ جب کسی طالب علم کو قرآن مجید مکمل یاد ہوجاتا تو اسے باقاعدہ اپنی شاگردی میں لے کر کسی جماعت پر نگران مقرر کردیتے۔ ایسے میں اگر کوئی طالب علم سوال کرتا اور نگران اس کے سوال کا جواب نہ دے پاتے تو ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اس سوال کو سن کر جواب عنایت فرماتے۔

آپ سے قرآن مجید کی بہت سی آیات کی تفسیر بھی نقل کی جاتی ہے۔

آپ نے ایک دن جامع مسجد میں منبر پر کھڑے ہوکر خطبہ دیا اور فرمایا:

"میں اُس روز سے بہت ڈرتا ہوں، جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ تم نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ قرآن کی ہر آیت سامنے آئے گی اور مجھ سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اس میں بیان کیے گئے احکام کی پابندی کی؟ لوگو! کیا میں اس دن بچ جاؤں گا؟"

حضرت عمر فاروق کی وفات کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما خلیفہ مقرر ہوئے۔ اُن کے زمانے میں حضرت امیر معاویہ نے خلیفہ کی منظوری سے حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دمشق کا قاضی مقرر کردیا۔

دمشق میں اُس سے پہلے کوئی قاضی نہیں تھا۔ آپ دمشق کے پہلے قاضی بنے۔ اگر کبھی امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باہر جانے کی ضرورت پیش آتی تو آپ کو اپنا جانشین مقرر کرکے جاتے۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر دربار میں کوئی غلطی کرتے تو حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً انھیں ٹوک دیتے۔ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاندی کا برتن خرید کر اس کی قیمت کچھ کم یا زیادہ اس کے مالک کو دی۔ حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فوراً بول اٹھے:

"معاویہ! (اسلام میں) یہ درست نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے چاندی میں برابر سرابر کرنے کا حکم دیا ہے۔"

آپ نہایت ہشاش بشاش رہتے، لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ گفتگو کے وقت چہرے پر مسکراہٹ ظاہر ہوتی۔ اہلیہ نے ایک روز ان سے کہا: "آپ ہر بات پر مسکراتے رہتے ہیں، کہیں لوگ آپ کو بے وقوف نہ سمجھنے لگیں۔"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بات کرتے وقت تبسم فرماتے تھے۔"

انھوں نے اپنی بیگم کو جواب دیا۔

"اس لیے میں بھی سنتِ رسول میں مسکراتا ہوں۔"

مزاج کے انتہائی سادہ تھے۔ چھوٹے چھوٹے کام بھی خود کرلیتے۔ ایک شخص نے انھیں معمولی کام کرتے ہوئے دیکھا تو حیرت سے پوچھنے لگا:

"آپ یہ (چھوٹے موٹے معمولی) کام خود کرتے ہیں؟"

حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی حیرت دور کرنے کے لیے فرمایا:

"(ہاں بالکل) اس (چھوٹے کام کو خود کرنے) میں بڑا ثواب ہے۔"

اپنے مہمانوں کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ جب بھی کوئی مہمان آتا اس سے پوچھتے کہ وہ ایک آدھ روز رکے گا یا اسی دن چلا جائے گا۔ اگر مہمان اسی روز چلا جاتا تو اس کو کچھ ہدیہ وغیرہ دیتے، ورنہ اُس کی خوب خدمت کرتے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ آپ کے اسلامی بھائی تھے، اس لیے جب بھی شام تشریف لاتے تو انہی کے گھر میں رکتے۔

ایک مرتبہ حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوگئے۔ خالد بن حدیر اسلمی رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو فوراً ان کی خدمت میں پہنچے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ زمین پر نیچے کھال یا اون کا بستر بچھا کر اس پر لیٹے تھے اور خود اونی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ انھیں خوب پسینہ آیا ہوا تھا اور قریب ہی کھال سے بنے جوتے رکھے تھے۔

قریبی رشتے دار

ایک مرتبہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ بازار میں چلے جارہے تھے کہ اچانک انھوں نے کسی کو بہترین قسم کے خربوزے فروخت کرتے دیکھا۔ ان کے دل میں بے ساختہ خربوزے کھانے کی خواہش پیدا ہوئی لیکن ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔

نفس نے ان سے کہا کہ کسی رشتے دار سے قرض لے کر خربوزے خرید کر کھالو۔

چنانچہ آپ اپنے ایک رشتے دار کے پاس پہنچے لیکن اس سے قرض مانگنے کی ہمت نہ ہوئی۔

نفس پکارا، اگر اس سے قرض نہیں لینا چاہتے تو کسی دوسرے سے لے لو۔

آپ کو اس کی بھی ہمت نہ ہوئی۔

نفس پھر پکارا کہ چلو کسی ایسے رشتے دار سے لے لو جو بہت قریبی ہو اور انکار نہ کرے۔

آخر شیخ سعدی اپنے نفس سے یوں مخاطب ہوئے: "تم سے زیادہ قریبی رشتے دار میرا کون ہوسکتا ہے، آج تم ہی مجھے ادھار دے دو۔"

اور یوں وہ خربوزے خریدے بغیر ہی چلے گئے۔

(احمد شجاع۔ گجرات)

ایسی کتاب جو مدرسے کے ہر طالب علم کو پڑھنی چاہیے

اصل قیمت 600

رعایتی قیمت 500

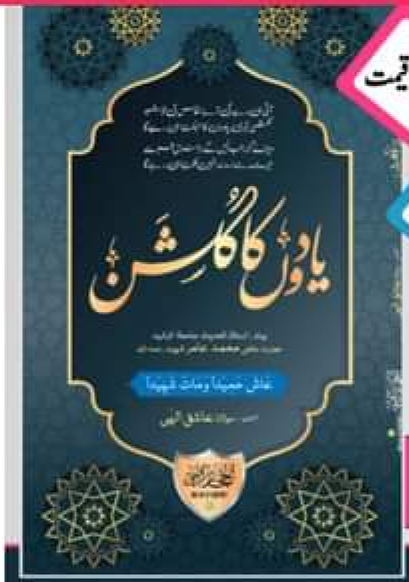

جامعۃ الرشید کی کبھی نہ بھلائی جانے والی شخصیت .... نوجوان عالم دین
مفتی محمد عامر صاحب شہید رحمہ اللہ تعالی پر جمع کی گئی چھپ کر الحمدللہ منظر عام پر آچکی ہے ...
مولانا اپنے آپ میں علم و عمل، تقوی و طہارت فقہی استعداد، علمی انہماک اور حسن اخلاق کا استعارہ تھے۔
جن کے بارے میں حضرت مفتی رشید احمد رحمہ اللہ نے خواہش ظاہر کی تھی 'میں ان کو اپنے مدرسے کا مہتمم بناؤں گا'

مولانا عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو آپ حضرات نے کتاب مرتب کی ہے اور ان کے بارے میں تاثرات جمع کیے ہیں، بندہ اس کو ایک بہت اچھی کوشش سمجھتا ہے۔ اللہ تعالی نے نوعمری کے اندر ہی بڑی علمی صلاحیتوں سے نوازا تھا اور ساتھ ساتھ ان کو اپنی روحانی اصلاح کی بھی فکر تھی۔ اس کتاب کتاب کے ذریعے ان کے جو فضائل ومناقب ہیں اور ان کے جو خصوصی امتیازات ہیں ان شاء اللہ لوگوں کو پڑھ کر سمجھنے کا موقع ملے گا۔ اللہ تعالی اس کتاب کو نافع بنائے، مفید بنائے اور صدقہ جاریہ بنائے۔
(شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب)

مفتی محمد عامر صاحب مرحوم کی صفات اور ان کی سیرت و کردار پر اگر چہ ایک زخیم کتاب کی ضرورت ابھی باقی ہے، لیکن فوری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ان شاءاللہ یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی اور بہت سی ایسی چیزیں ہمارے نوجوان فضلاء کو اس سے سیکھنے کو ملیں گی، جن کے بارے میں ہمارے ہاں بے توجہی پائی جاتی ہے اور کردار میں ان کی کمی اور زندگی میں ان کے بارے میں غفلت دیکھنے میں آتی ہے۔ تو امید ہے ہمارے پیارے مرحوم دوست کی زندگی کے یہ خوبصورت زاویے اور سبق آموز واقعات بہت سوں کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرے گی۔
(مولانا اسماعیل ریحان صاحب)

تقسیم کے لیے جو 5 کتابیں آرڈر کرے گا اس کے لیے 2000 روپے میں 5 کتابیں۔

رابطہ نمبر: 0306 2528488

خالد بن حدیر اسلمی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا:

''آپ اگر چاہتے تو اپنے بستر پر چاندی والا غلاف چڑھا لیتے اور زعفرانی چادر اوڑھتے جو کہ امیر المومنین آپ کے پاس بھیجا کرتے ہیں۔''

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''ہمارا ایک گھر ہے جہاں ہم جا رہے ہیں، بس اسی کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔''

اُن کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ تمام چیزیں ہم اپنی موت کے بعد کی زندگی کی آسانی کے لیے دوسروں کو ہدیہ کر دیتے ہیں۔

وفات سے چند روز پہلے حضرت یوسف بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے آئے۔ انھیں دیکھ کر پوچھا: ''کیسے تشریف لائے ہیں؟''

چونکہ ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بستر مرگ پر تھے، اس لیے انھوں نے جواب دیا: ''میرے والد اور آپ کے درمیان جو دوستی ہے اس کی وجہ سے حاضر ہوا ہوں۔''

حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''(میں جانتا ہوں تم اس لیے نہیں آئے) جھوٹ بولنا بری بات ہے۔ جو شخص استغفار کرلے تو اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے (تم بھی اپنے جھوٹ پر توبہ کرلو)۔''

وفات کے وقت رونے لگے۔

ان کی بیگم نے پوچھا: ''آپ صحابی رسول ہو کر روتے ہیں؟''

حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''کیوں نہ روؤں؟! اللہ جانے گناہوں سے کیسے بخشش ہوگی؟''

ان کی بیگم نے پوچھا:

''آپ تو موت کو محبوب رکھتے ہیں پھر (اب) کیوں رو رہے ہیں؟''

حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: ''یہ سچ ہے کہ میں موت کو محبوب رکھتا ہوں لیکن جس وقت سے موت کا یقین ہوا اس وقت سے سخت پریشانی ہے (کہ معلوم نہیں میرا حال کن لوگوں میں ہو)۔''

یہ کہہ کر دوبارہ رو دیے پھر فرمانے لگے: ''میرا آخری وقت ہے کلمہ پڑھاؤ۔''

لوگ کلمہ پڑھنے لگے، حضرت اس کلمے کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ جنت مکین ہوگئے۔ ہجرت کے بتیسویں سال آپ کی وفات ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے: ''(لوگو! تمھیں چاہیے کہ) دو عالموں (معاذ بن جبل اور ابودردا رضی اللہ عنہما) کا ذکر (محبت سے) کیا کرو۔''

یزید بن معاویہ کا قول تھا: ''ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم بہت سے امراض (یعنی جہالت) سے شفا دیتا ہے۔''

معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات کے وقت وصیت کی تھی: ''(میری وفات کے بعد) ابودردا رضی اللہ عنہ سے (قرآن وحدیث کا) علم سیکھنا، کیوں کہ ان کے پاس (وافر) علم ہے۔''

حضرت ابوذر غفاری نے ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے خطاب کر کے کہا تھا:

''زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے تم سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے۔''

عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے خواب میں ایک عالی شان

باغ دیکھا، اس میں ایک مٹیالے رنگ کا گنبد دیکھا، اس میں کثیر تعداد میں بکریاں کھجوریں چر رہی تھیں۔

میں نے دریافت کیا: "یہ عالیشان گنبد کس کا ہے؟"

کسی نے مجھے بتایا: "عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔"

میں نے کچھ دیر انتظار کیا تو وہ (عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ) اپنے مکان سے باہر نکلے۔ میں نے ان سے کہا: "اے ابن عوف! اللہ میاں نے یہ مقام آپ کو قرآن مجید کی برکت سے عطا فرمایا ہے۔"

انھوں نے جواب دیا: "اگر تم اس ٹیلے پر چڑھ کر دیکھو تو جو چیز اللہ میاں نے ابودردا کو عطا فرمائی ہے، تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، کیوں کہ وہ دنیا کو دونوں ہاتھوں سے دھکیل کر دور پھینکتے ہیں۔"

اُن کے اس فرمان کا یہ مطلب تھا کہ انھوں نے دنیا کو چھوڑنے کے لیے اپنا کاروبار ترک کر دیا تھا۔

مسروق جو بڑے جلیل القدر تابعی اور اپنے زمانہ کے امام تھے۔ وہ فرماتے ہیں:

"میں نے تمام صحابہ کا علم چھے شخصوں میں جمع دیکھا ہے۔ ان چھے میں سے ایک ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔"

☆☆☆

(خصوصی طور پر بچوں کا اسلام کے نوعمر قارئین کے لیے سہل اور عام فہم انداز میں تلخیص کیا گیا!)

83

میر حجاز

اختر حسین عزمی

بوجھل دل کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکے کو واپس لوٹ رہے تھے۔

سخت غمگین اور پریشان حال، نت نئے اندیشوں میں کھوئے ہوئے چل رہے تھے۔

چلتے چلتے مکے اور طائف کے ایک درمیانی مقام قرن الثعالب پہنچ گئے۔

چلچلاتی دھوپ میں بادل کے ایک ٹکڑے نے انھیں اپنے سائے میں لیا ہوا تھا۔

اچانک اوپر نگاہ اٹھی تو جبریل امین دکھائی دیے اور پھر ایک بلند آواز میں پکار سنائی دی:

"اے محمدؐ! اللہ نے وہ بات سن لی جو آپ کی قوم نے آپؐ سے کی اور جو رُوکھا جواب دیا وہ بھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے۔ آپ ان کے بارے میں اسے جو حکم دیں گے، وہ بجا لائے گا۔"

اس کے ساتھ ہی پہاڑوں کے فرشتے نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا اور کہا:

"اے محمدؐ! آپ جو حکم دیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا۔ اگر آپ چاہیں کہ میں انھیں ان دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں، تو ایسا ہی ہوگا!"۔

ملک الجبال کی صورت میں تباہی و ہلاکت اہل طائف کے سر پر منڈلا رہی تھی کہ اب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان "انتقام" کے لیے اشارہ کرے اور طائف کی سر زمین دھواں دھواں ہو جائے۔ عاد اور ثمود کے طرز عمل پر چلنے والوں کا انجام چند لمحوں کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیے گئے طعنوں اور تحقیر آمیز جملوں کا حساب، محسن انسانیت کے لہو کی ایک ایک بوند کا انتقام! مگر وہ جو انسانیت کو گمراہی کے گڑھے سے نکالنے، رُشد و ہدایت کی بہاروں کا ہم نشین بنانے اور انسانیت کا درد بانٹنے آئے تھے، ان کا دامنِ رحمت اپنی ذات کے لیے انتقام کی آگ کی چنگاریوں سے خالی تھا، اس مایوس کن صورت حال میں بھی انھوں نے نادان انسانوں کے راہ یاب ہونے کی امید دلائی:

"ابھی یہ ناسمجھ ہیں، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو اللہ کی بندگی کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے۔"

واپسی کا اگلا پڑاؤ وادیٔ نخلہ میں ہوا، جہاں پانی بھی موجود تھا اور سرسبز و شاداب نخلستان بھی۔

فجر کی گھڑیوں میں اللہ کے رسولؐ اپنے رب کے دربار میں سراپا عجز و نیاز تھے۔

قرآن مقدس کی تلاوت کا لحن اور دُکھی دل کا درد و سوز تھا کہ ساری فضا پر ایک کیف و سرور طاری تھا۔

اسی اثناء میں نصیبین (شام) کے جنوں کا ایک گروہ وہاں سے گزرا۔

کانوں میں کلام الٰہی کی دلنشین آواز پہنچی تو رک گئے اور سراپا گوش بن کر سننے لگے اور جب کلام سن چکے تو اپنی قوم کے پاس پہنچے اور کہنے لگے:

"اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰؑ کے بعد نازل کی گئی ہے۔ تصدیق کرنے والی ہے، اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی۔ رہنمائی کرتی ہے حق اور راہِ راست کی طرف۔ اے ہماری قوم کے لوگو! اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کرلو اور اس پر ایمان لے آؤ۔" (الاحقاف)

اللہ رب العزت نے اپنے رنجیدہ رسولؐ کی دلداری پہلے پہاڑوں کا فرشتہ بھیج کر کی اور اب جنوں کے قبول اسلام کی خوش خبری سنا کر کی۔

☆☆

"یارسول اللہ! آپ کس طرح مکہ تشریف لے جائیں گے جبکہ وہاں کے لوگ تو آپ کے خون کے پیاسے بن چکے ہیں اور اسی وجہ سے تو ہم طائف کی طرف نکلے تھے۔"

وادیٔ نخلہ سے مکہ کی طرف واپسی کے سفر میں رفیقِ سفر زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا۔

انھیں خدشہ تھا کہ طائف والوں کے سلوک کے بعد تو اہلِ مکہ کی جسارتیں اور بڑھ جائیں گی لیکن پیغمبرِ اسلام نے زید کو تسلی دی:

"اے زید! اللہ تعالیٰ مشکل کو آسان فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے دین کو غلبہ دے گا اور اپنے نبی کی مدد فرمائے گا۔"

"یارسول اللہ! اب ہمیں کسی کی پناہ لے کر ہی مکہ میں داخل ہونا چاہیے، کیونکہ طائف میں ہماری ناکامی سے شہ پاکر قریش کوئی بھی اقدام کرسکتے ہیں۔"

زید بن حارثہ کی تشویش کم نہیں ہوئی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی حالات کا پوری طرح اندازہ تھا۔

اب دونوں مسافر حرا کے مقام پر پہنچ چکے تھے۔ وہاں بنو خزاعہ کے ایک شخص عبداللہ بن اُریقط سے ملاقات ہوئی۔

اس کے قبیلہ کے بنو ہاشم سے حلیفانہ تعلقات تھے، اس سے آپؐ نے کہا: "میرا ایک

کام کرو، اَخنس بن شُرَیق کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ کیا وہ مجھے اپنے جوار (پناہ) میں لے سکتا ہے تاکہ میں لوگوں تک ان کے رب کا پیغام پہنچا سکوں!"

عبداللہ بن اُریقط نے اَخنس کو پیغمبر اسلام کا پیغام پہنچایا تو اَخنس نے کہا:

"میں خود قریش کا حلیف ہوں۔ اس حیثیت میں میں قریش کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔" اَخنس خود قریشی نہ تھا، وہ ثقفی تھا اور مکہ میں آباد تھا۔

عبداللہ بن اریقط نے واپس آ کر اخنس کا جواب سنایا تو آپؐ نے عبداللہ بن اُریقط کو اسی پیغام کے ساتھ سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا۔ اس نے کہا:

"میں بنو عامر کا آدمی ہوں اور ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم کعب بن لوئی کی اولاد کے خلاف کسی کو پناہ دے سکیں۔"

سہیل بن عمرو کی معذرت کے بعد پیغمبر اسلام نے عبداللہ کو مطعم بن عدی کی طرف بھیجا۔

مطعم حضور کے دادا ہاشم کے بھائی نوفل کی اولاد سے تھا، جب مطعم نے پیغام سنا تو اس نے کہا: "اگر محمد مجھ سے حق جوار چاہتے ہیں تو میں انھیں اپنے جوار میں لینے کے لیے تیار ہوں۔ تم انھیں کہو کہ وہ حرم میں تشریف لے آئیں۔"

پھر اس نے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو حکم دیا: "تم سب مسلح ہو کر حرم کے گوشوں پر کھڑے ہو جاؤ کیونکہ میں نے محمد بن عبداللہ کو حق جوار (پناہ) دیا ہے۔"

پیغام پانے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید بن حارثہ کے ہمراہ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔

خانہ کعبہ کے چاروں کونوں پر مطعم کے بیٹے گلے میں تلواریں حمائل کیے چوکس کھڑے تھے اور خود مطعم اپنے باقی افراد کے ساتھ مطاف میں اُونٹنی پر سوار کھڑا تھا۔ اس نے باآواز بلند اعلان کیا: "یا معشر القریش! میں نے محمد کو پناہ دی ہے، لہٰذا کوئی ان سے چھیڑ چھاڑ کی جسارت نہ کرے۔"

پیغمبر اسلام سیدھے حجر اسود کی طرف بڑھے، اسے بوسہ دیا اور طواف مکمل کرنے کے بعد اپنے گھر کی طرف چلے گئے۔

اس دوران میں مطعم کے ہتھیار بند بیٹے آپ کے ساتھ ساتھ رہے۔

ابوجہل اس ساری صورت حال پر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ وہ تو اس موقع کی تلاش میں تھا کہ اب تو محمدؐ بن عبداللہ کے خاتمے کی راہ بالکل صاف ہو گئی ہے لیکن مطعم بن عدی کے حق جوار نے اس کا سارا منصوبہ ہی تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔

حرم میں برپا مجلس میں ابوجہل نے عبد مناف کے خاندان والوں پر طنزیہ فقرہ چست کیا:

"اے آلِ عبد مناف! تمھارا نبی ہے یہ!"

"اگر ہم میں سے کوئی نبی ہو جائے یا کسی کو بادشاہت مل جائے تو تم جلتے کیوں ہو؟" عتبہ بن ربیعہ نے کہا۔

یہ محمدؐ بن عبداللہ کے پردادا ہاشم کے بھائیوں کی اولاد میں سے تھا۔ اس اعتبار سے وہ آل مناف سے تھا اور اس نے خاندانی عصبیت و غیرت کی بنیاد پر یہ جواب دیا تھا۔

پیغمبر اسلام نے جب اس کی یہ بات سنی تو عتبہ کے قریب آئے اور کہا:

"تعجب ہے عتبہ! خدا اور رسول کے لیے تو تمھیں غیرت نہ آئی، اپنے حسب نسب کے لیے غیرت آ گئی!"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوجہل سے مخاطب ہوئے: "سن لو ابوجہل! وہ وقت آ رہا ہے اور جلد آ رہا ہے جب ساری ہنسی غائب ہو جائے گی اور تم خون کے آنسو روؤ گے۔"

اس کے بعد آپؐ نے تمام قریش سے کہا:

"قریش کے سردارو! تم بھی سن لو، وہ دن دور نہیں جب تم چاروناچار، بہت ہولناک انجام سے دوچار ہو گے۔"

یہ کہہ کر آپ اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان باتوں سے قریش بہت تلملائے لیکن مطعم چونکہ انھیں پناہ دے چکا تھا اس لیے وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ ابوجہل تیزی سے مطعم کی طرف گیا اور اس سے پوچھا:

"اے مطعم! اسے پناہ دی ہے یا اس کی اطاعت قبول کر لی ہے؟"

"میں نے انھیں پناہ دی ہے۔" مطعم نے جواب دیا۔

"تو پھر کوئی ڈر والی بات نہیں، جسے تو نے پناہ دی، اسے ہم نے پناہ دی۔"

(سیرۃ ابن ہشام)

(جاری ہے)

کراچی انٹرنیشنل ایکسپو بک فیئر 2023ء

کراچی والے ہو جائیں تیار!!

14 دسمبر بروز جمعرات
تا 18 دسمبر بروز پیر
روزانہ صبح 10 تا رات 9

ایکسپو سنٹر
حسن اسکوائر
گلشن اقبال، کراچی

اساتذہ اور والدین سے گزارش ہے کہ مطالعے کا ذوق وشوق پیدا کرنے کے لیے بچوں کے ہمراہ بک فیئر میں ضرور تشریف لائیں

اس سال بھی ہمارے اسٹال پر ان شاءاللہ آپ کی دلچسپی کا پورا پورا سامان موجود ہوگا۔ اشتیاق احمد کی اسلامی کتابیں اور 170 جاسوسی ناول، مدیر چاچو محمد فیصل شہزاد کی دو نئی نویلی کتابیں، آئی جی غلام رسول زاہد کی کتابیں، ابوحنظلہ سعدی کی مسلم فاتحین سیریز کی کتابوں کے علاوہ 4 نئی کتب، سرمد ناول کے مصنف کاوش صدیقی کے 3 نئے ناول، اور دیگر مصنفین کی 100 کے قریب بالکل نئی کتابیں۔ جی ہاں! اس بار پرانی کتابوں کے ساتھ بہت سی نئی کتابیں بھی اس بک فیئر میں منظر عام پر آ رہی ہیں۔ اور یہ نئی کتابیں آپ کو ملیں گی حیرت انگیز ڈسکاؤنٹ پر اور مصنفین کے آٹوگراف کے ساتھ، کیوں کہ تمام مصنفین اسٹال پر موجود ہوں گے، آپ ان سے ملاقات کر سکیں گے۔ تو پھر آ رہے ہیں نا آپ؟

کراچی کے علاوہ ملک کے دیگر شہروں کے قارئین بھی اس بک فیئر کے ذریعے خریداری کر سکیں گے۔ جی ہاں گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی ہم اپنے ان تمام قارئین کے لیے آن لائن بک فیئر کا اہتمام کر رہے ہیں جو کراچی سے دور ہونے کی وجہ سے اس بک فیئر میں شرکت نہیں کر سکتے۔

تفصیلات کے لیے رابطہ کیجیے